نہج البلاغہ کے مطالعہ کی مجوزہ تحقیقی روش

پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی

نہج البلاغہ کا مطالعہ اب تک مندرجہ ذیل امور تک محدود رہا ہے۔ مقدمے لکھے گئے ہیں، مخصوص خطبوں کی تشریح کی گئی ہے، حوالوں کی ترتیب دہی ہوئی ہے، محاورات واصطلاحات کی لغت تیار کی گئی ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ اگرچہ نہج البلاغہ کے فہم وادراک کو مہمیز کرنے میں یہ تمام کوششیں مددگار ہیں لیکن اب تک کوئی ایسا کام سامنے نہیں آیا جس کی روشنی میں کتاب کے اصل مواد کو بہ حیثیت مجموعی تحقیق کی اعلیٰ سطح پر پیش کیا جاسکے۔ دوسرے لفظوں میں، نہج البلاغہ کے سیاق وسباق پر تو بہت کام ہوا ہے لیکن کتاب کی اصل عبارت اور اس کے اصل مواد پر مطالعہ جزوی ہے، کلی نہیں۔ غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے عنوانات کا دامن وسیع ہے، خیالات بہت گہرے ہیں، نظریات پیچیدہ ہیں اور موضوعات ایک دوسرے پر سایہ فگن ہیں۔ اگرچہ اس صورت حال کو اور اس سے پیداشدہ مسائل ومشکلات کو بذریعہ فصاحت آسان وعام فہم کردیا گیا ہے۔ پھر بھی ان تمام جہتوں کو بامعنی ربط دہی کے ساتھ سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ اسی لئے کوئی مکمل تجزیاتی مطالعہ سامنے نہیں آیا۔ عام طور پر انفرادی مطالعہ کی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ محض جزوی حصہ زیر مطالعہ رہتا ہے، باقی آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔ کل سے علیحدہ رہ کر جز کی تشریح غیر معتبر ہوجاتی ہے۔ ذاتی تجربات، علمی سطح، پسند وناپسند اور غلو وانحراف کی ناگزیر شمولیت اصل مواد ہی کو مسخ کردیتی ہے۔ ان کمزوریوں کے پیش نظر فرد کی ایسی جسارت سمندر میں کود پڑنے کے مترادف ہے جس میں تیر کر پار نکل جانے کے بجائے غرقاب ہوجانے کا امکان زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس مشکل کا صرف ایک حل ہے نہج البلاغہ کے عنوانات کے پیش نظر، احتیاط کے ساتھ کچھ مناسب تحقیقی نمونے یا ماڈل تیار کیے جائیں جو کسی حد تک وسیع عنوانات کو محیط کرسکیں، ربط دہی پیدا کرسکیں، غیر انفرادی تجزیہ پیش کرسکیں اور براہ راست طریق کار کی لغزشوں کا سدباب کرسکیں۔ کچھ اس طرح کے تحقیقی ماڈل تجویز کیے جاتے ہیں:

رسولؐ کے علم کا خاکہ

مذہبی دانشوروں میں اس بات کا بہت ذکر ہوتا ہے کہ رسولؐ نے دین وایمان کے ساتھ علم کا ایک مکمل ڈھانچہ بھی تیار کیا ہے جس کو دین وایمان کا محافظ و پاسبان قرار دیا ہے۔''محافظ'' کی اہمیت کسی طرح ''محفوظ'' سے کم تر نہیں ہوتی۔ اسی کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ رسولؐ کے تیارکردہ علمی ڈھانچہ کے خدوخال کو پوری طرح سمجھ لیا جائے۔ رسولؐ اکرم نے علم کی تعریف کرتے ہوئے اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔علم حقیقت شناسی ہے،علم اخلاقی پابندی ہے، اورعلم ایک صالح روایت ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ علم ایک رائے ہے جس کی عملی توثیق نہیں ہوتی ۔علم معلومات کا مجموعہ ہے جس کی ضد جاہلیت ہے۔علم ان اصول وقواعد سے واقفیت کا نام ہے جو انسان کی زندگی کو منظّم بنانے میں ممدو معاون ہوتے ہیں۔ اس کے بعدعلم کے پانچ دائرہ عمل کی نشاندہی فرمائی ہے : علم ایک الہام ہے جوتمام علوم کے لئے ہدایتی اصول فراہم کرتا ہے ۔علم نقل وروایت پر مشتمل ہے جو تمام ترعقلی واخلاقی کارگزاریوں کے لئے ضروری ہے۔علم ایک فلسفہ ہے جوتمام علوم میں نظم وترتیب قائم کرنے اور رونما ہونے والے واقعات کو اصولی درجہ دینے کے لئے ضروی ہے۔علم ایک اصولی اورمنطقی نتیجہ خیزی ہے جوحقیقتوں کے انکشاف اور تجرباتی معلومات کے لئے ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔علم ایک تعقل (Reasoning) ہے جس کے ذریعہ دائرہ عمل کو قابو میں رکھا جاسکتا ہے یہی ریزننگ تمام علوم کا ماخذ بھی ہے اورآزمائش بھی جس کو مذہبی زبان میں اجتہاد کہتے ہیں۔[۱]

پیغمبراؐکرم کے ارشادات کی روشنی میں علم کے اسی ڈھانچہ کو دین کا محافظ قرار دیا گیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مضبوتی اور کمزوری کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کسی حدتک علم اور دین کو ہم آہنگ رکھتے ہیں۔ اس موقع پر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ رسولؐ مقبول کے علمی ڈھانچے کی تشریح کا نام'' نہج البلاغہ'' ہے اس لئے کہ اس سے بہترعلم ودین کی ہم آہنگی کہیں اورنظرنہیں آتی۔عصر حاضر میں نہج البلاغہ کی اہمیت و افادیت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رہبران دین اسلام کے درمیان سطحی اختلافات اورتفرقہ کی وجہ سے اسلام کا جامع علمی ڈھانچہ جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہوکر رہ گیا۔کوئی گروہ قیاس ورائے کا حامی بن گیا تو کوئی عقل وریزننگ کا۔ اس صف آرائی میں کبھی یہ خیال ہی نہ آیا کہ اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وکالت اتنی بری نہیں جتنا کہ ایک کا یہ

سمجھنا کہ دوسرا برا ہے۔ اس تقسیم کاری میں محافظ دین ہی کمزور ہوگیا اور علم ودین کی ہم آہنگی دور از خیال ہوگئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی نے مذہب کا چولا پہن لیا اور مسند قضا پر بیٹھ کر دین فروشی شروع کردی۔ ایسی ناگفتہ بہ صورت حال میں نہج البلاغہ مشعل راہ ہے جو نہ صرف یہ کہ رسولؐ کے علمی ڈھانچے کو محیط ومتحد کرتی ہے بلکہ اس کو دین سے ہم آہنگ بھی رکھتی ہے۔

نہج البلاغہ صرف ادبی شاہکار ہی نہیں بلکہ علوم ومعارف کا گراں بہا سرمایہ، حکمت واخلاق کا سرچشمہ اور معارف ایمان وحقائق کا ایک انمول خزانہ بھی ہے۔ موضوعات جو بھی ہوں، علم وحکمت سے مرصّع اور نطق وفصاحت سے مزین ہیں۔ حضرت علیؑ کی خلافت کا دور اطمینان ودلجمعی کا دور نہ تھا۔ اس انتشار وبرہمی کی فضا کے باوجود تسلسل وہم آہنگی، گہرائی وگیرائی اور اسلوب کی یک رنگی اس بات کی شاہد ہے کہ یہ علمی استعداد ان کے رگ وپے میں سرایت کرچکی ہے۔ خود انہیں کا قول ان پر صادق آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو نفس میں رچ بس جائے اور ایک وہ جو سن کر حاصل کیا گیا ہو۔

سنا سنایا علم فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ دل میں راسخ نہ ہوجائے۔ یہی وہ راسخ علم تھا جس کا گرد وپیش کی مسموم فضا سے بے نیاز ہوکر، بے ساختہ مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اس اعتبار سے نہج البلاغہ ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ہے۔

تضاد میں توازن

نہج البلاغہ موضوعات ومسائل کا صرف بیش بہا خزانہ ہی نہیں بلکہ اگر نگاہ ان سب پر محیط ہے تو احساس ہوگا کہ یہ سب موضوعات اور ان کی اضافی جہتوں میں تضاد پایا جاتا ہے کہیں کہیں موضوعات ومسائل ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ کا قابل ذکر حصہ ان متضاد کیفیتوں کا حامل ہے۔ حضرت علیؑ کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی علمی استعداد سے اتنا بڑا مختلف النوع مسائل وموضوعات کا انمول خزانہ جمع کردیا۔ اس سے بڑھ کر کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس جمع شدہ موضوعات کے متضاد عناصر میں توازن قائم کیا۔ اس جہت کا مطالعہ ''تضاد میں توازن'' کے ماڈل کے تحت بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے علم وادب ہی کا تضاد لے لیجئے ۔حضرت علیؑ نے فلسفیانہ فکرونظر کو ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئی طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی ہے جس کی مثال دنیا کی بڑی زبانوں میں بھی مشکل سے نظر آتی ہے۔ یقیناً انگریزی ، فرانسیسی اور جرمنی زبانیں ادبی بھی ہیں اور علمی بھی۔لیکن علم وادب کی یکجہتی ان زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے۔ جہاں تک اردو کا سوال ہے، یہ ایک ادبی زبان ہے۔ اس کی علمی حیثیت ابھی تک معتبریت کے درجہ تک نہیں پہونچی ہے۔لیکن جہاں تک انگریزی ، فرانسیسی اور جرمن جیسی علم وادب کی مستند زبانوں کا تعلق ہے، وہاں بھی ابھی تک فلسفہ وحکمت کے حقائق اور الٰہیات کے دقیق مسائل کو بلاغت کلام نصیب نہیں ہوئی ہے۔ یہ کام مشکل بھی ہے اس لئے کہ علمی مطالب میں نہ تو بلیغ تعبیرات کی گنجائش ہے اور نہ ہی ان میں اعلیٰ معیاری بلاغت کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ٹھوس حقائق کی سنگلاخ زمین اور بلاغت کا پر بہار چمن یکجا نہیں ہوسکتے۔فقہی عبارتیں ،کلام جدل کی تحریریں اور علمی وفنی تعبیریں ، اسلوب بلاغت سے میل نہیں کھاتیں۔لیکن اگر حضرت علیؑ کی شخصیت اس تضاد کو ہم آہنگ کردے تو مسائل وموضوعات چاہے جتنے دقیق ہوں، دل میں اتر جاتے ہیں۔ خدا کے وجود کے سلسلہ میں منطقی استدلال اور علمی تعبیرات کا ایک خزانہ موجود ہے جو اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں بلکہ ان کی گرفت میں ہے۔لیکن مولای متقیان کے عالمانہ کلمات کا دائرہ کار فقط علماء کے دائرہ تک محدود نہیں بلکہ خود ارادیت کا حامل عام آدمی بھی حضرت کا یہ جملہ ”ہم نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا“۔ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اسے فوراً یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ارادہ کرنا انسان کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس کو تکمیل تک پہنچانا خداوند عالم کا کام ہے۔

حضرت علیؑ کے کلام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادب کی سحر انگیزی اور علم وحکمت کی باریک نگاہی دونوں سمٹ کر جمع ہوگئی ہیں۔ یہی طرز ادا علم اور دین کے درمیان ہم آہنگ کرتی ہے ۔ حضرت علیؑ وہ مفکر اسلام ہیں جنہوں نے علم الٰہیات اور دین اسلام پر عقلی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے جس کی کوہ پیمائی اب تک جاری ہے لیکن اب تک کی تمام کوششیں محیط ہیں، متجاوز نہیں ہوسکی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ نقش اول بھی ہیں اور حرف آخر بھی۔ نہج البلاغہ کے خطبات میں طبیعاتی ،نفسیاتی ، اخلاقی، تمدنی ، معاشرتی اور حرب وضرب کے اصول وضوابط اور لازمی ہدایات موجود ہیں۔ ایک مکمل وجامع دستور حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے جس کی افادیت، آئین حکومت کے منضبط ہوجانے کے

باوجود، کسی طرح کم نہیں ہوئی ہے۔ان تمام موضوعات پر مشتمل یہ خطبات، نہ صرف یہ کہ قیاس ورائے اور عقل وریزن کا امتزاج ہیں بلکہ متاع دین وایمان سے ہم آہنگ بھی ہیں۔ اس امتزاج وہم آہنگی کی تشریح وتصریح ''تضاد میں توازن'' کے تحقیقی ماڈل ہی کے تحت مناسب وممکن ہے۔ اس ''امتزاج وہم آہنگی وتوازن'' کی دومثالیں پیش خدمت ہیں:

حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں تو حید یہ ہے کہ اس کو اپنے وہم وتصور کا پابند نہ بناؤ اور عدل یہ ہے کہ اس پہ الزامات نہ لگاؤ۔ یہ قیاس ورائے اور عقل وریزن کے امتزاج کی بہترین مثال ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں تمہارے لئے سچائی باعث نقصان ہو وہاں جھوٹ کو ترجیح نہ دو چاہے یہ جھوٹ تمہارے فائدے کا باعث ہورہا ہو۔تمہاری باتیں تمہارے عمل سے زیادہ نہ ہوں اور دوسروں کے متعلق بات کرنے میں اللہ کا خوف کرتے رہو۔حضرت علیؑ کے اس قول میں علم اور ایمان کی ہم آہنگی صاف نظر آتی ہے۔ ذرا تضاد میں توازن دیکھئے، جابرابن عبد اللہ سے کہہ رہے ہیں: چارقسم کے آدمیوں سے دین ودنیا کا قیام ہے۔ عالم جو اپنے علم کو کام میں لاتا ہے۔ جاہل جو علم کے حاصل کرنے میں عار نہیں کرتا۔سخی جو دادودہش میں بخل نہیں کرتا اور فقیر جو آخرت کو دنیا کے عوض نہیں بیچتا۔ یہ چار متضاد عناصر ہیں جن کا توازن دیکھئے۔

جب عالم اپنے علم کو برباد کرے گا تو جاہل اس کو سیکھنے میں عار سمجھے گا۔ جب دولتمند بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔ یہ ہے تضاد میں توازن جس کا عالمانہ تجزیہ اسی ماڈل کے تحت کیا جاسکتا ہے جس کے اقوال میں یہ توازن ، خود اس کی شخصیت کتنی متوازن ۔ دانشور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ حضرت علیؑ میں تین صفتیں ایسی تین صفتوں کے ساتھ جمع تھیں جو کسی بشر میں جمع نہیں ہوئیں۔فقر کے ساتھ سخاوت ، شجاعت کے ساتھ تدبر ورائے اور علم کے ساتھ عملی کارگزاریاں ۔ یہ اقوال واحساسات کا اظہار وخیال کتاب کی محض ''قدرشناسی'' تک محدود ہے لیکن تضاد میں توازن کی تحقیقی پرکھ سے اب تک یہ محروم ہے۔ نہج البلاغہ کا اصل مرتبہ اسی پرکھ میں پوشیدہ ہے۔

سہ رخی ماڈل

اگر آپ نہج البلاغہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو تین دائرے صاف نظر آئیں گے۔موضوعات ،

علم اور فصاحت کچھ موضوعات ذہنی کاوش چاہتے ہیں ، کچھ دل کو چھوتے ہیں۔علم واسطہ ہے جو بذریعہ تشریح ذہنی خلش دور کرتا ہے اور دلی سکون مہیا کرتا ہے ۔ فصاحت ''خوش کن ترغیب'' کا باعث بنتی ہے ۔ اس اعتبار سے نہج البلاغہ کے خدوخال کا مطالعہ سہ رخی تحقیقی ماڈل کے تحت کیا جاسکتا ہے۔ کچھ تشریحات ماڈل کی وضاحت اور مطالعہ کی مناسبت کے لئے حسب ذیل ہیں:

علم وحکمت جاہلیت کے خلاف ایک جدوجہد ہے۔تہذیب واخلاق ،غفلت و بے توجہی کے خلاف جدوجہد ہے۔علم وحکمت کا تعلق عقل سے ہے۔تہذیب واخلاق کا تعلق دل سے ہے۔علم وحکمت ایک روشنی ہے۔تہذیب واخلاق آنکھ کھولتا ہے تاکہ روشنی سماسکے،غفلت سے انسان چونک سکے، روح کو منور کر سکے۔علم وحکمت عقل کی زبان ہے۔تہذیب واخلاق روح کے لئے پیغام ہے۔ علم وحکمت شخصی طور پر دو ذہنوں کے ترسیل کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن تہذیبی واخلاقی نصیحتیں وہ برقی رو ہیں جو مقرر سے سامعین کے دلوں میں براہ راست اتر جاتی ہیں جس کے لئے نطق وفصاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نطق وفصاحت کبھی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے جیسے کہ میدان جنگ میں کلام جدل ۔لیکن کبھی تالیف قلب کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ جیسے کہ زہدوتقویٰ کے مسائل مقرر جانتا ہے کہ وہ کس موقع پر اور کس وقت جذبات کو ابھارنے یا ان کو قابو میں رکھنے کے لئے نطق وفصاحت کا استعمال کرے۔نطق وفصاحت میں سموئے ہوئے علم وحکمت اور تہذیبی واخلاقی نصیحتوں کو اگر یکجا کردیا جائے تو نہج البلاغہ کے خدوخال تیار ہوجائیں گے۔

یہ ماڈل کی اصولی تشریح تھی۔ اب عملی تشریح دیکھئے ۔حضرت علی کہتے ہیں کہ سماج میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک عالم، ایک متعلم اور پھرعوام الناس جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے یہ وہ گروہ ہے جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہولیتا ہے، ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے ۔ نہ ان لوگوں نے نورعلم سے کسب ضیا کی اور نہ ہی کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی۔

پھر کہتے ہیں عالم کا علم مال سے بہتر ہے۔علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے مال کی تم کو حفاظت کرنی پڑتی ہے'' مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے،علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے ۔ دولت کے اثرات دولت کے فنا ہونے سے فنا ہوجاتے ہیں،علم کے اثرات عالم کے گزرجانے کے بعد بھی رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی تقلید کی جاتی ہے۔اس سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت کرواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔اس

اعتبار سے علم حاکم ہے اور مال فقط محکوم۔ دولتمند زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے، عالم مردہ ہوجانے کے باوجود زندہ ہے۔ یقیناً ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی علمی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں۔

پھر کہتے ہیں متعلم سیکھنے والا طبقہ ہے۔ یہ ملے تو یہ ذہین بھی تھے لیکن یا تو وہ ناقابل اطمینان تھے یا دنیا کے لئے دین کو آلہ کار بنانے والے تھے۔ خدا کی نعمتوں پر شکرگزار ہونے کے بجائے اللہ کے بندوں پر برتری جتانے والے تھے۔ حق ودانش کے مطیع تھے لیکن ان کے دل کے گوشوں میں بصیرت کی روشنی نہ تھی۔ ذرا سا شبہ ہوا کہ شکوک وشبہات کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ یہ سیکھنے والے یا تو لذتوں پر مٹے ہوئے تھے اور خواہش نفسانی کی راہ پر کھنچے چلے جارہے تھے یا جمع خوری اور ذخیرہ اندوزی پر جان دئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ہی دین کی پاسداری کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ چرنے والے چوپایوں سے مشابہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے اردگرد ایک عالم کا علم سینے ہی میں دفن رہ جاتا ہے۔ لیکن یہی وہ لوگ یعنی عالم ہیں جن سے روئے زمین کبھی خالی نہیں رہتی۔ اللہ کی دلیلیں اور نشانیاں انہیں کے دم سے مٹنے نہیں پاتیں۔ یہ گنتی کے چند لوگ ہیں انہیں کے ذریعہ خدا اپنی حجتوں اور نشانیوں کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ علم نے ان میں حقیقت وبصیرت اور یقین واعتماد پیدا کردیا ہے آرام پسند انہیں صفتوں کو دشوار سمجھتے ہیں۔ یہ انہیں سہل وآسان جانتے ہیں جن سے جاہل بھڑکتے ہیں ان سے یہ جی لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا میں ایسے جسموں کے ساتھ رہتے ہیں کہ جن کی روحیں اعلیٰ سے وابستہ رہتی ہیں، یہی دین کے سچے محافظ ہیں۔

نہج البلاغہ میں ایسے سہ رخی تقابل کے موضوعات بہت ہیں جن کی تشریحی سچائیوں پر زمانہ کی گردش وگرد کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ یہ وقت وزمانہ سے ماورا سچائیاں ہیں۔ لیکن ان مضمرات کی تشریح اسی سہ رخی ماڈل کے تحت ہی ممکن ہے جس کے نتیجہ میں نہج البلاغہ کی اصل افادیت ابھر کر سامنے آئے گی۔

اختتامیہ

یہ تحقیقی ماڈل نہج البلاغہ کے لٹریچر سے میل کھاتے ہیں۔ یہ تقریباً کتاب کے موضوعات کو محیط کرتے ہیں۔ ان کو بہتر بھی بنایا جاسکتا ہے، ان میں ضرورت کے لحاظ سے ترمیم وتنسیخ بھی کی جاسکتی ہے یا دوسرے ماڈل بھی تیار کئے جاسکتے ہیں۔ درحقیقت ادارتی سطح پر یہ ایک مستقل طریق عمل ہے

جس کو جاری وساری رہنا چاہئے۔ یہ ماڈل یا کوئی اور نہ صرف یہ کہ کتاب کے مواد کو قابو میں رکھیں گے بلکہ تجزیہ وتشریحات کو بامعنی بھی بنائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ ذاتی نہ ہوں گے اور تعصب وطرفداری سے پاک ہوں گے۔ کتاب کا اعتماد اور اس کی معتبریت ایک وسیع حلقہ میں قائم کرنے کا باعث ہوں گے۔ اس طرح کے لائحہ عمل کو اختیار کئے بغیر انفرادی کوششوں سے فرد تو قدآور ہوا ہے لیکن نہج البلاغہ کے مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔

مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کی حقیقی عظمت واہمیت سے دنیا ناواقف رہ گئی جس کی بنیادی وجہ تحقیقی راہ وروش سے ناواقف افراد کے ذریعہ لکھی گئی نام نہاد تنقیدی عبارت ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ نہج البلاغہ کی عظمت مضر الفاظ، ضرررساں تجزیات اور ایک ہی رٹ کی تشریحات میں دب کر رہ گئی اور دنیاوالے اس کی حقیقی عظمت تک رسائی حاصل نہ کرسکے۔ بڑی کتابیں تو اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی ہوتی ہی ہیں لیکن اس کے لٹریچر کی افادیت کو برقرار رکھنے اور مقبول عام کرنے کے لئے ایک معیاری تجزیہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

افلاطون کی ''ریپبلک'' سو برس تک گمنام رہی۔ لیکن یہ مستقل اور مسلسل عالمانہ تحقیق کا نتیجہ ہے کہ آج یہ کتاب سماجی علوم کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے ۔ نہج البلاغہ بھی ایک زندہ کتاب ہے لیکن لوگ اس عظیم کتاب کے حکیمانہ پہلوؤں سے کافی حد تک ناواقف رہ گئے اور اس سے بھرپور فائدہ نہ اٹھاسکے۔ اگر حقیقی علماء ودانشوروں کی جماعت غیر جانبدار اور نظم وترتیب کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے تو نہج البلاغہ بھی دنیا میں وہ مرتبہ حاصل کرسکتی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔

اسلام کے دینی مسائل اور فلسفیانہ نظریوں پر گفت وشنید کا ماخذ نہج البلاغہ ہے۔ اسی طرح مسلم سماج ومملکت کے بہت سے سماجی وسیاسی تنازعات کی بازگشت بھی نہج البلاغہ میں سنائی دیتی ہے۔ نہج البلاغہ نہ صرف عہد رسولؐ کے ابتدائی اسلام اور قرآنی تعلیم کا انعکاس ہے بلکہ ان تعلیمات کی روشنی میں مستقبل کے لئے رہنما بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے بعد فقط نہج البلاغہ ہی وہ کتاب ہے جس کو مذہب اسلام کی بنیادی کتابوں میں شمار کیا جانا چاہئے۔ مولای متقیان نے اپنے معرکۃ الارا خطبات مکتوبات اور کلمات قصار میں اسلامی فقہ وفلسفہ اور اصول وکلام سے وابستہ موضوعات نہایت عالمانہ اور موثر انداز میں بیان کئے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف لازمی ہے کہ انحرافی تنقیدی روش، ناقص تحقیق اور لفظوں کی الٹ پھیر کی وجہ سے دنیا اس کے مکمل اور بھرپور استفادہ

سے محروم رہ گئی۔ موجودہ زمانہ علم وآگہی کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں اگر اس کتاب کا بھرپور اور گہرا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت سے دور تحقیق کی قلعی کھل جائے گی اور اس مقدس کتاب کی عظمت روز روشن کی طرح نمایاں ہوجائے گی۔